پختونوں اور مغلوں کے سیاسی تنازع کے بنیادی عوامل اور محرکات

حمایت اللہ یعقوبی*

Relationship between Pakhtuns and the Mughals in the Indian subcontinent was blemished by conflicts, intrusion and invasions. Pakhtuns' presence in the north-western border of India was a constant source of trouble for the Mughal kings right from Babur to Aurangzeb. This frontier was a stumbling block in the north-western policy of the Mughals due to tough Pakhtuns resistance. The article traces the origin of the very cordial relationship between Ulugh Beg Mirza, the Mughal ruler of Kabul and Malik Suleman Shah, the Yusufzai Pakhtun sardar. The Pakhtun ascendancy to the power echelon in Kabul was very difficult for the Mughal to swallow. The article discusses the conspiracy hatched by Mirza Ulugh Beg in which he put to death, through deceit, hundreds of Pakhtun sardars in his palace to crush their strength and political power in Kabul. Very little scholarly work has been done to discuss the event in a proper historical context to link it up with the origin of rivalry between the two mighty people. There is not a single work mentioning that the massacre of these sardars was the original source of conflict between the two communities.

پختونوں اور مغلوں کے تعلقات کے حوالے سے بیشتر محققین کافی کام کر چکے ہیں۔ زیادہ تر تحقیق ظہیر الدین بابر کے ہندوستان میں مغل سلطنت کے قیام کے بعد کے حالات اور واقعات کے گرد گھومتی ہے۔ اس ضمن میں جو بھی کام ہوا ہے وہ ظہیر الدین بابر سے لے کر اورنگزیب عالمگیر تک

* ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، مرکز فضیلت، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

مغلوں کی پختون پالیسی اور شمالی مغربی سرحد کی سیاست اور اہمیت کے متعلق ہے۔ اگر تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ دونوں اقوام کے تعلقات ظہیر الدین بابر کے ہندوستان آمد سے بہت پہلے افغانستان سے شروع ہو گئے تھے۔ امیر تیمور نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو وہ مال و دولت سمیٹ کر واپس وسطی ایشیا چلا گیا۔ ہندوستانی فتوحات میں اس کا سب سے بڑا مقصد شہروں کو تاراج کر کے خزانوں کو اپنے ساتھ سمیٹ کر لے جانا تھا۔ کہتے ہیں کہ تیموری لشکر میں بہت سارے پختون کمانڈر بھی شامل تھے۔ اس وقت افغانستان اور ملحقہ قبائلی علاقوں کے سردار تیمور کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ ان میں مشہور ملک سربنی، ملک خضر خان سروانی، ملک بہاؤالدین نیازی، ملک یوسف سروانی اور ملک حبیب سربنی اپنے اپنے قبائلی لشکر کے ساتھ تیموری افواج میں شامل ہو گئے تھے۔اس وقت بہت سارے پختون میرٹھ شہر میں آباد تھے۔ کہتے ہیں کہ جب تیموری افواج شہر میں داخل ہو گئیں تو بہت سارے پختون میرٹھ کے گھر بھی لٹے اور برباد ہوئے۔ پھر جب تیمور نے واپسی پر کابل پر یلغار کی تو راستے میں کچھ پختون قبائل نے مزاحمت کی کوشش کی جس کے نتیجے میں کئی پختون قتل کر دیئے گئے۔ *تاریخ پشتون* کے مصنف کے مطابق مغلوں اور پختونوں کے درمیان بغض اور کینہ بڑھ جانے کا یہ پہلا سبب تھا۔[۱]

بابر نامہ اور *ملفوظاتِ تیموری* کے مطابق امیر تیمور کا شجرہ چھٹی پشت میں چنگیز خان کے ساتھ ملتا ہے۔ امیر تیمور ترکی قبیلے 'برلاس' کے ایک سردار کا بیٹا تھا۔ وہ ۳۶-۱۳۳۵ء میں ثمرقند کے جنوب میں ایک گاؤں ''کیش'' میں پیدا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک لڑائی کے دوران اس کی ایک ٹانگ زخمی ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ تیمورلنگ (Timur Lane) کے نام سے مشہور ہوا۔ وہ چنگیز خان کی طرح چالاک، ہوشیار اور شاطر تھا۔ وہ اپنے وقت کا بہادر فوجی کمانڈر اور اعلیٰ پائے کا سیاستدان تھا۔ اس نے ۸۳-۱۳۷۹ء کے مابین ہرات، سیستان اور قندہار فتح کئے اور ۱۳۹۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس وقت محمود تغلق دہلی کا حکمران تھا۔ اپنی فتوحات کے آغاز میں اس نے غزنی، کابل، قندہار اور ملحقہ علاقے فتح کئے۔ ہندوستان کی مہم کے دوران جو پندرہ مہینے جاری رہی۔ اس کی فوج نے دہلی کے علاوہ دیگر بہت سے شہر برباد کئے۔ دہلی کو لوٹنے کے بعد تیمور کا ارادہ چین کو فتح کرنے کا تھا لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور وہ ۱۴۰۴ء میں ''اترار'' شہر میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مرزا شاہ

رخ سلطنت کا جانشین بن گیا۔ وہ طبعاً ایک امن پسند انسان تھا۔ فتوحات، لڑائی جھگڑوں اور لشکر کشی کی طرف زیادہ مائل نہیں تھا۔ اس کے برعکس وہ موسیقی کا ماہر اور دلدادہ تھا۔ ان کی زندگی ہی میں تیموری سلطنت میں دراڑیں پڑنا شروع ہوگئیں تھیں۔ ۱۴۴۷ء میں اس کے انتقال کے وقت سلطنت زوال پذیری کا شکار ہو چکی تھی۔ بہت سے صوبے آزاد اور خودمختار ہو چکے تھے اور ہر طرف طاقتور فوجی سپہ سالاروں اور تیموری شہزادوں نے علم بغاوت بلند کر رکھا تھا۔ حتیٰ کہ دارلسلطنت خراسان میں شورش اور مسلسل خانہ جنگی سے تیموری گھرانے کا اقتدار خطرے میں پڑ گیا تھا۔ بہادر شاہ ظفر کاکا خیل لکھتے ہیں کہ شاہ رخ کی وفات کے بعد سلطان حسین بایقرہ خراسان کا حکمران بن گیا تھا۔[۲]

کابل، قندہار اور غزنی اس وقت تیموری سلطنت کا حصہ تھے جو تیمور کی موت کے بعد اسکے بیٹے مرزا ابوسعید اور پھر اس کے بیٹے مرزا الغ بیگ کے تسلط میں آ گئے تھے۔ اس ضمن میں مشہور انگریز مؤرخ اولف کیرو لکھتا ہے کہ کابل کا الغ بیگ جو پختون سرداروں کو قتل کرنے کے حوالے سے مشہور تھا، بابر بادشاہ کا چچا اور مرزا ابوسعید جو ہرات، بلخ اور خراسان کا حکمران رہ چکا تھا کا بیٹا تھا۔ ہمارے اکثر تاریخ دان اسے خراسان کے الغ بیگ کے ساتھ غلط طور پر منسوب کرتے ہیں۔[۳] یہ دوسرا الغ بیگ ایک قابل سائنسدان، ماہر تعمیرات اور ماہر فلکیات تھا۔ وہ مرزا شاہ رخ کا بیٹا تھا جو دو سال کے مختصر عرصہ کیلئے ثمرقند کا حکمران رہ چکا تھا۔ وہ ۱۴۴۹ء میں قتل ہوا۔ اس مضمون میں ہم جس الغ بیگ کو زیر بحث لائیں گے، اولف کیرو اسے الغ بیگ دوم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ عمر شیخ کا بھائی اور ظہیر الدین بابر کا چچا تھا جو ۱۴۶۰ء سے ۱۵۰۱ء تک کابل کا گورنر رہا تھا۔[۴]

مؤرخین کے مطابق پختونوں میں یوسف زئی قبیلہ کے اباواجداد وادیٔ پشاور، جس کو گندھارا کہا جاتا تھا، میں رہائش پذیر تھے۔ پانچویں صدی عیسوی میں جب مغرب کی طرف سے مختلف تاتاری قبائل نے یلغار شروع کی تو یوسفزئیوں کا گندھارا میں رہنا مشکل ہو گیا اور پورا قبیلہ اجتماعی نقل مکانی کرتے ہوئے بلوچستان اور افغانستان سے ہوتے ہوئے خراسان کے علاقے ''غوزہ مرغان'' میں آباد ہو گیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یوسف زئی دشت لوط کے قریب ''گارا'' اور ''نوشکی'' کے علاقوں کی طرف گئے تھے۔ گارہ اور نوشکی کے علاقے دشت لوط کے ساتھ جو آج کل ایران اور افغانستان اور پاکستان کے صوبے بلوچستان کے کچھ علاقوں میں پھیلا ہوا ہے۔ تیرہویں صدی عیسوی کے اواخر یا

چودھویں صدی عیسوی کے اوائل میں یوسفزئی قبیلے نے کابل کی طرف ہجرت کی اور وہاں آباد ہو گئے۔ احمد حسن دانی نے اپنی کتاب *Peshawar Historic City of the Frontier* میں یوسف زئیوں کی گندھارا سے ہجرت کی نفی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اولف کیرو نے بھی اس حوالے سے شک کا اظہار کیا ہے۔۵

اسی موضوع پر بہت سارے لوگوں نے کافی کام کیا ہے۔ حبیب اللہ تڑی اپنی کتاب *پشتون* میں لکھتے ہیں کہ پختونوں کی اس ہجرت کے اثبات کے احوال *دائرہ المعارف اسلامی* نامی کتاب سے بھی ہوتا ہے۔ اپنے تجزیے کو ثابت کرنے کیلئے اس نے تاریخی واقعات کا حوالہ بھی دیا ہے۔ یوسفزئی پختون اس وقت کی کتابوں میں *گندھاریوں* کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس ہجرت کے بارے میں ایچ ڈبلیو بیلیو کا نظریہ تاریخی شواہد سے بھی ثابت ہے کیونکہ چینی سیاح سنگ یون جو کہ تقریباً ۵۲۰ء میں گندھارا گیا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہفتالیوں نے ہی پانچویں صدی عیسوی میں گندھارا پر حملہ کیا تھا۔

بعض دوسرے تاریخی اسناد بھی اس ہجرت کا ذکر کرتے ہیں کہ قبلِ از اسلام گندھارا کے علاقے سے لوگوں کی ایک بہت بڑی گروہ کی ہجرت کابل، غور اور ہرات کی طرف ہوئی تھی۔ حبیب اللہ *تاریخ نامہ از عبدالجبار فامی* کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ شہر ہرات پہلی بار قندھار سے آئے ہوئے مہاجرین نے آباد کیا۔ مصنف اس بارے میں اور بھی تاریخی حوالوں کا ذکر کرتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ کسی بھی محقق نے واضح طور پر نہیں لکھا ہے کہ یہ مہاجرین پختون تھے بھی کہ نہیں۔ لیکن جن حالات و واقعات اور علاقوں میں ہجرت کا یہ واقعہ رونما ہوا ہے اس سے تاریخی طور پر یہ واضح پتہ چلتا ہے کہ یہ مہاجرین یقیناً پختون ہوں گے۔۶

لیکن اولف کیرو پختونوں کی اس قدیم ہجرت کے بارے میں متضاد رائے رکھتے ہیں۔ اس کے مطابق تاریخی معتبر اسناد، سکے اور کتبے اس قدیم ہجرت کی تائید نہیں کرتے اور اس نظریے کی بنیاد درحقیقت دو قندھار کے ناموں کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے۔ اولف کیرو کے بیان کے مطابق ھیاطلہ قوم نے ۴۵۵ء میں گندھارا پر حملہ کیا تھا۔ گندھارا پر قبضہ کرنے کے بعد تورامانہ (Toramana) نامی کمانڈر یہاں کا حکمران بنا۔ وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کرتا کہ تورامانہ اور اسکا بیٹا مہراگلہ

(Mihirgula) دونوں وحشی، ظالم اور بربریت کرنے والے حکمران تھے۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ھیاطلہ قوم کی ایک نشانی لقب ''خان'' ابھی تک پختونوں میں عام ہے۔[۷]

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب دوسرے قبائل نے زور پکڑا تو یوسف زئی اور زیادہ تر پختون قبائل کابل، قندہار اور غزنی کے گرد و نواح میں آباد ہو گئے۔[۸] تاریخ کی بہت ساری ماخذ اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ شمال مغربی ہندوستان پہ ھن یا ھیاطلہ قوم کے مسلسل حملوں کی وجہ سے گپتا سلطنت بہت کمزور ہو گئی تھی۔ وسطی ایشیا کے میدانوں سے نکل کر ھیاطلہ یلغار نے رومی اور گپتا سلطنتوں کو فتح کر کے بہت سے شہروں کو برباد کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی دور میں ان لوگوں کا غلبہ چاروں طرف پھیل گیا تھا ان کی وحشیانہ طرز حکومت کے بارے میں چینی سیاحSung-Yun اور ھیون تسانگ Hiuen-Tsangنے بھی تذکرے کیے ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ھیاطلہ کے مقامی حکمرانوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے بہت عرصہ تک جاری رہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ مقامی راجپوت آبادی کے ساتھ مل کر سماج کا حصہ بن گئے۔ اسی وجہ سے یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ یوسف زئی قوم کے جانے کے بعد جو خلا پیدا ہوا تھا وہ ھنز قوم نے یہاں پر آباد ہو کر پورا کیا۔[۹] یہ لوگ تہذیبی اطوار سے بے خبر تھے اوروحشیانہ طرز زندگی گزار رہے تھے۔ مندرجہ بالا تاریخی حوالوں کو مد نظر رکھ کر یہ بات ممکن ہے کہ ان کے ظلم سے تنگ آ کر یوسف زئی قبیلے نے مغرب کی طرف ہجرت کی ہو گی۔ یوسف زئی کے ان آباؤ اجداد کو یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس گندریو"Gandairio" کے نام سے لکھتا ہے۔[۱۰]

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مطابق چھٹی صدی عیسوی میں گندھارا کوEphthalite یا Huns قوم نے فتح کیا۔ جس کا ذکر چینی سیاحSung-Yun نے بھی کیا ہے۔ اس نے ۵۲۰ عیسوی میں گندھارا کا دورہ کیا تھا۔ اسی دوران وہWhite Huns کے اس وقت کے حکمرانKing Gallas کے دربار میں حاضر ہوا تھا۔ مسلم عہد سے پہلے گندھارا بدھ مت کا ایک بہت بڑا مرکز تھا۔[۱۱] اس کی آبادی کا زیادہ تر حصہ بدھ مت کے ماننے والوں پر مشتمل تھا۔ آج بھی بدھ مت کے حوالے سے سب سے زیادہ آثار اسی وادی پشاور اور سوات میں موجود ہیں۔ موجودہ افغانستان کے شہر قندھار میں گوتم بدھ کا ایک بڑا جار یا پیالہ دریافت ہو چکا ہے، جو آج کل کابل کے عجائب گھر میں رکھا ہوا ہے۔ اس بارے

قیاس یہی ہے کہ یوسف زئی جو کسی زمانے میں بدھ مت کے پیروکاروں میں سے تھے جب گندھارا سے ہجرت کر کے گئے تھے تو یہ پیالہ اپنے ساتھ قندھار لے گئے تھے۔ افغانستان ہجرت کے بعد ان لوگوں نے اپنی ایک پوری آبادی قائم کی اور اس کو گندھار، قندھار یا کندھار پکارنے لگے۔ یعنی اپنی پرانی جائے رہائش گندھارا کے نام پر وہاں اپنی آبادی قائم کی۔ اس تاریخی حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ افغانستان کا موجودہ شہر قندھار یوسفزئیوں نے ساتویں صدی عیسوی میں آباد کیا۔[۱۲]

یوسف زئی پختونوں کے حوالے سے اولف کیرو لکھتا ہے:

There are undoubtedly the leading tribes among the Afghans people as a whole. It is the Yusufzai who have kept alight the lantern of the race. Just as the Durranis, whether in the Sadozai or Muhammadzai dynasties, have supplied the royal house in Afghanistan for over two hundred years, so the Yusufzais... regard themselves, and indeed are regarded, as the truest and finest exponent of the Afghan way of life.[۱۳]

ترجمہ: افغانوں میں کسی شک و شبہ کے بغیر بڑے مشہور قبائل موجود ہیں ان میں یوسف زئی نے (افغانوں) کی نسل کو زندہ و تابندہ رکھا ہوا ہے۔یہ یوسفزئی ہی ہیں جنہوں نے اس نسل کے چراغ کو جلائے رکھا ہے جس طرح درانیوں نے خواہ سدوزئی یا محمدزئی خاندانوں میں سے ہو نے دو سو سال سے زیادہ تک افغانستان کو قابل حکمران میسر کیے اسی طرح یوسف زئی بھی اپنے آپ کو افغانوں کی خالص تہذیبی زندگی کے علمبردار سمجھتے ہیں۔

H.W Bellew نے غوڑہ مرغان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ دریائے ارغسان کے ساتھ ایک ضلع تھا۔ وہاں پر یوسف زئی قبیلے کی ترین قبیلہ سے ایک چراگاہ پر لڑائی ہو گئی تھی تو یہ لوگ کابل میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔[۱۴] یہ لوگ کابل میں مرزا ابو سعید کے حامی تھے، لیکن جب تیموری سلطنت میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو اس وقت مرزا الغ بیگ اپنی چند سو تھکی ماندی شکست خوردہ افواج کیساتھ ماوراء النہر سے کابل آیا ہوا تھا۔ اس کے ابتدائی ایام میں کابل اور اطراف میں شورش اور بغاوت زوروں پر تھی جب مرزا الغ بیگ کو کابل میں جان کے لالے پڑ گئے تو اس نے پختون سرداروں کی مدد اور اعانت طلب کی۔اس وقت پختونوں میں یوسف زئی قبیلہ بہت طاقتور تھا۔ ملک سلیمان شاہ جو ملک تاج الدین کا بیٹا تھا اس قبیلے کا سردار تھا۔ ملک سلیمان شاہ مرزا کی مدد پر راضی ہو گیا اور کچھ

عرصہ کیلئے مرزا الغ بیگ کو اپنے ہاں پناہ دی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مرزا نے یوسفزئیوں کی مدد سے مختلف علاقوں کو فتح کرنا شروع کیا۔ مرزا کی بہت سی لڑائیوں میں فتح پختونوں کی مرہون منت تھی۔ پختون چونکہ مرزا کو تیموری شہزادہ سمجھتے تھے، اس لیے سلیمان شاہ بھی اس بات کو پختونوں کے حق میں اچھا تصور کرتے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر مرزا کابل پر مکمل قبضہ کر لیتا ہے تو وہ تمام عمر یوسف زئیوں کا احسان مند رہے گا اور اس طرح وہ صوبہ کابل میں اپنے لئے ایک اعلیٰ پایہ کا سیاسی مقام بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے اور پختون قبائل کابل میں بہت معزز، قابلِ عزت اور صاحب جاہ بن جائیں گے۔[۱۵]

یوسف زئی روایات کے مطابق ایک دن مرزا الغ بیگ اور ملک سلیمان شاہ ایک جگہ اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے کہ اتفاق سے شیخ عثمان کا اس راستے سے گزر ہوا۔ شیخ عثمان اس زمانے کے صاحب کشف اور مشاہیر اولیاء میں سے تھے۔ اس نے اسی وقت ملک سلیمان شاہ کو خبردار کیا تھا کہ اس نوجوان (مرزا الغ بیگ) کی آنکھیں دشمن کی آنکھوں کی طرح ہیں، لیکن باوجود اس تنبیہ کے ملک سلیمان اپنا ارادہ تبدیل کرنے کے حق میں نہیں تھا اور مسلسل مرزا کی حمایت میں ہمہ تن تیار تھا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد مرزا نے کابل، قندھار اور غزنی پر اپنا قبضہ جمایا اور خاندان تیموریہ کے ٹمٹماتے چراغ کو دوبارہ پوری آب و تاب کے ساتھ کابل میں روشن کیا۔ جو صرف پختونوں اور یوسف زئیوں کے مرہون منت تھی۔ اپنی پوزیشن کو مکمل طور پر مستحکم کرنے کے بعد کابل اور غزنی میں مرزا کے نام کا سکہ جاری ہوا اور خطبہ بھی پڑھا جانے لگا۔[۱۶]

چونکہ مرزا الغ بیگ کو صوبہ کابل کی حکمرانی پختونوں کی طاقت کی وجہ سے نصیب ہوئی تھی، اس لیے یوسف زئی قبیلے کا کابل کے شاہی دربار میں کافی اثر و رسوخ پیدا ہوا۔ ملک سلیمان شاہ کی بہت آؤ بھگت ہونے لگی۔ ان کی پوزیشن عملاً ایک وزیر اعظم کی سی تھی۔ کابل کے سیاسی اور انتظامی معاملات میں ان کا بہت بڑا عمل دخل تھا۔ ادھر ادھر کی چھوٹی بڑی شورشوں کو ختم کرنے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ جس کی وجہ سے کابل میں حالات سدھر گئے۔ کابل، غزنی اور قندھار میں باقاعدہ طور پر یوسف زئی صاحب جمعیت بن گئے تھے اور ان کا معاملات حکومت میں کافی عمل دخل ہو گیا تھا۔ اس وقت ملک سلیمان شاہ کے پانچوں بھائی بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے،تجارت کرتے تھے اور تجارتی

قافلوں سے راہ گزاری اور ٹیکس وصول کرتے تھے۔ اس دوران ادھر ادھر سے مفرور اور بھٹکے مغل سوار اور چغتائی خانہ بدوش کثیر تعداد میں کابل اور اس کے اطراف میں آباد ہو گئے۔ اس کے علاوہ وسطی ایشیا خراسان اور ہرات سے تیموریہ خاندان کے کافی لوگ کابل کے شاہی دربار میں آنا شروع ہو گئے۔ مرزا الغ بیگ نے بھی نئے آنے والے ساتھیوں کیلئے اپنے دربار اور محل کے دروازے مکمل طور پر کھول رکھے تھے کیونکہ ان نئے ساتھیوں کے آنے سے ان کو بہت بڑے سیاسی فائدے حاصل ہو سکتے تھے۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مغل سیاسی چالبازی، گٹھ جوڑ اور حکمرانی کے اصولوں میں خاصے ماہر تھے۔ مستقبل قریب میں مرزا نے یوسف زئی اور دوسرے پختون قبائل کے سیاسی اثر و رسوخ کو زائل کرنے کی ٹھانی تھی۔ کیونکہ پختونوں کی سیاسی طاقت اور اہمیت کو وہ کبھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ ۱۷

کابل کے دربار میں یوسف زئی سرداران مکمل طور پر سیاسی قوت کے مالک ہو گئے تھے۔ مرزا الغ بیگ بڑے سیاسی اور انتظامی فیصلے ملک سلیمان شاہ کی رضا و منشاء کے مطابق کیا کرتے تھے۔ اس کے برعکس کابل اور اردگرد جتنے بھی پختون آباد تھے وہ اپنے داخلی قبائلی معاملات میں مرزا کے انتظامی کنٹرول سے مکمل آزاد تھے۔ پختون روایات کے مطابق مرزا سے ان کے تعلقات اس طرح تھے کہ سلطنت کے امور میں بہت حد تک پختونوں کا عمل دخل ہو گیا تھا لیکن وہ کبھی مرزا کو قبائلی معاملات میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دیتے تھے یعنی یہ ایک یک طرفہ تعلق تھا جو کہ سیاسی طور پر ایک خطرناک قسم کا رویہ تھا۔ دوسری طرف دربارِ شاہی میں ملک سلیمان شاہ اور دوسرے پختون سرداروں کی موجودگی بہت سے قبائلی سرداروں اور مغلوں کیلئے ایک کانٹا بن چکی تھا۔ سیاسی قربت کے حوالے سے بھی ملک سلیمان شاہ کا مرزا الغ بیگ سے قریبی تعلق ان کے سیاسی حریفوں کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ دربارِ کابل میں موجود چغتائی اور مغل اکابرین اس کے لئے بالکل آمادہ نہ تھے کہ ملک سلیمان شاہ انہی کی مسندِ سلطنت میں ان سے سیاسی امور میں غالب ہو جائیں۔ اس کے نتیجے میں آہستہ آہستہ مرزا نے سیاسی گٹھ جوڑ اور منصوبے بنانے شروع کر دیئے کہ کسی طرح پختونوں کی طاقت اور قوت سے چھٹکارہ حاصل کیا جائے۔

مرزا کو پہلے ہی سے ملک سلیمان شاہ کی سیاسی بصیرت اور پختونوں کی عسکری طاقت کا اندازہ تھا اس لیے ایک لمبے عرصے کیلئے اس نے براہِ راست الجھاؤ سے بہت حد تک اپنے آپ کو بچا کے رکھا ہوا تھا لیکن بہت جلد ان کو پختونوں کے آپس کے قبائلی اختلافات کا احساس ہو گیا۔ اس لیے

مرزا نے وہی کیا جو ہر دور میں پختونوں کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔ اس نے ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کی کامیاب پالیسی پر عمل کرنا شروع کیا۔ اس قسم کے سیاسی حالات میں ایک خاص قبیلے کی حمایت اور دوسرے قبیلے کی مخالفت کا اندیشہ ہر وقت رہتا ہے۔ کبھی کبھی دفاعی اور سیاسی لحاظ سے مضبوط قبائل اور حکومتِ وقت کے درمیان رنجش لڑائیوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ مرزا کو چونکہ قبائلی اختلافات کا کافی حد تک اندازہ ہو چکا تھا اس لئے اس نے اس طریقے کو آزماتے ہوئے اپنے لئے مداخلت کا راستہ ڈھونڈ نکالا۔ اس نے مختلف پختون قبائل کے باہمی اختلافات کو بڑھانے کی غرض سے گگیانی قبیلے کے سرداروں کے خلاف ساز باز شروع کر دی۔ اس وقت گگیانی قبیلے کے یوسفزئیوں سے ایک رشتے کے تنازعہ پر اختلاف پیدا ہوا تھا۔ اس وجہ سے وہ قبیلہ مرزا سے باغی تھا کیونکہ گگیانی سردار مرزا کو یوسفزئیوں کے اتحادی سمجھتے تھے۔ تواریخ حافظ رحمت خانی کے مطابق مرزا کو اس قبائلی اختلاف سے نہایت خوشی ہوئی اور وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ کسی طرح ان حالات کو اپنے فائدے کیلئے استعمال کریں۔ اس نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا کہ گگیانی قبیلے پر فوج کشی کر کے پختونوں کی طاقت کو کمزور کیا جا سکے۔ مرزا نے ملک سلیمان شاہ سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا۔ ملک سلیمان شاہ ایک جہاندیدہ سردار تھا۔ اس کا دل گگیانیوں کے قتل پر بالکل راضی نہیں تھا اور جب مغل لشکر مرزا کی قیادت میں گگیانیوں کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوا تو ملک سلیمان شاہ نے اپنے ایک خاص کارندے کو بھیج کر گگیانیوں کو پہلے ہی خبردار کر دیا کہ مرزا الغ بیگ آپ لوگوں کو تاراج کرنے کی غرض سے آ رہا ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی گگیانی وہاں سے بھاگ کر محفوظ مقام کی طرف چلے گئے تھے۔[۱۸] اس احسان کا بدلہ گگیانی سرداروں نے اس طرح چکایا کہ خود ہی مرزا الغ بیگ کو پیغام بھیجا کہ ہمیں ملک سلیمان شاہ نے آپ کے حملے سے پیشگی آگاہ کیا تھا۔ یہ راز افشاء ہونے کے بعد مرزا نے اس قبائلی شاخسانے میں ان کو یوسف زئی سرداروں کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ اس کے بعد گگیانیوں کی شاہی دربار میں آؤ بھگت بڑھتی چلی گئی۔ ملک سلیمان شاہ کو جب یہ محسوس ہونے لگا کہ مرزا الغ بیگ پختونوں کے مابین اختلافات کو ہوا دینے کی کوشش کر رہا ہے تو وہ بہت جلد مرزا کی اس تبدیلی مزاج کو بھانپ گئے اور آہستہ آہستہ دربار سے دور ہوتے چلے گئے کیونکہ وہ اس حق میں نہ تھے کہ مرزا پختونوں کے معاملات میں اس حد تک مداخلت کرے کہ پختون قبائل کے اتحاد کو نقصان پہنچے۔ لیکن جب مرزا نے کھلم کھلا گگیانی سرداروں حسن ابن چنگا اور شبلی ابن طوری کی مدد سے یوسف

زئی کے خلاف محاذ بنایا تو اس نے دربار میں آنا مکمل طور پر بند کیا اور رفتہ رفتہ یوسف زئی اور اسکے حامی قبائل مرزا سے باغی ہوتے چلے گئے۔۱۹

کابل کے مغل شاہی دربار میں مرزا الغ بیگ اور ان کے ساتھیوں کو خوشی تھی کہ گگیانی اور یوسف زئی دونوں مضبوط پختون قبائلی اتحاد میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں کی مثال دو بازوؤں کی طرح ہے۔ ان کا ایک بھی بازو ٹوٹ جائے تو پختون قبائل کی قوت بہت زیادہ کمزور ہو جائے گی۔ کرتے کرتے ایک موقع ایسا آیا کہ ملک سلیمان اور مرزا کے مابین اختلافات شدید ہو گئے اور نوبت لشکر کشی تک پہنچ گئی تھی۔ مرزا کو چونکہ یوسف زئی کی طاقت کا علم تھا اور ان کو یہ ڈر تھا کہ شاہی افواج اکیلے ملک سلیمان شاہ اور اتحادی سرداروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، اس لیے مرزا نے گگیانیوں کے ساتھ مل کر یوسف زئی قبیلے پر حملہ کیا۔۲۰

گگیانی اور مغل افواج کے مشترکہ لشکر کا مقابلہ یوسف زئی کیلئے بہت مشکل تھا۔ ملک سلیمان شاہ نے اپنے لشکر کو کابل شہر کے باہر ایک باغ میں جمع کیا۔ پختون قبائلی لشکر جس میں یوسف زیوں کے ساتھ محمد زئی، خلیل اور گدون قبیلے کے جوان تھے جو بڑی بے جگری سے لڑے اور مرزا کی فوجوں کا بڑا نقصان کیا۔ اپنی شکست دیکھ کر مرزا نے صلح و صفائی کیلئے ساز باز شروع کر دی۔ دوسری طرف ملک سلیمان شاہ کو بھی اس بات کا خدشہ تھا کہ ان کے لشکر کیلئے بہت لمبی جنگ کرنی مشکل ہو جائے گی اور پھر وہ پختون قبائل کے مابین اختلافت کو جنگ سے نہیں بلکہ مذاکرات سے حل کرنے کے حق میں تھے۔ اس لیے جب مرزا نے مذاکرات کیلئے اپنے آدمی اس کے پاس بھیج دیئے تو اپنے ساتھیوں سے صلاح مشورہ کے بعد وہ مرزا سے ملنے اور صلح کیلئے راضی ہو گئے۔۲۱

مرزا اپنی شاہی افواج کو لے کر کابل میں اپنے محل کو لوٹ گیا۔ اس قسم کے مذاکرات کو وہ اپنی شکست خیال کرتا تھا لیکن سیاسی حکمت اور تدبر کی غرض سے وہ خاموش تھا، لیکن دل ہی دل میں انتہائی غضبناک ہوا اور دوبارہ اس بات پہ سوچنے لگا کہ ملک سلیمان شاہ کے رعب اور دبدبہ کو ہمیشہ کیلئے کیسے ختم کرے۔ ادھر ملک سلیمان کو یہ خوشی تھی کہ پختونوں کے مابین دراڑ اور نا اتفاقی ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئی، کیونکہ اس نے مرزا الغ بیگ کے ساتھ ساتھ گگیانی سرداروں کے ساتھ بھی صلح کر لی تھی۔ پھر ایک سردار ہونے کے ناتے اور پختونولی کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس بات پر پوری طرح قائل ہو گئے تھے کہ مرزا اور گگیانیوں سے ان کی جو سیاسی محاذ آرائی برسوں سے چلی آ

رہی تھی وہ اب ختم ہوگئی ہے۔ چونکہ وہ ایک بلند پایہ سیاسی مدبر اور حکمت عملی بنانے کے ماہر تھے اس لیے اس کا ارادہ یہی تھا کہ گگیانیوں کو راضی کر کے دوبارہ کابل میں پختونوں کو منظم کیا جائے تا کہ آئندہ کسی بھی قسم کا کوئی ناخوشگوار واقعہ دوبارہ رونما نہ ہو اور مغلوں کی سلطنت کابل میں ان کی طاقت پر منحصر ہو۔ چونکہ اس وقت ملک سلیمان شاہ کو پختونوں کی سیاسی عسکری اہمیت کا اندازہ تھا، اسی مقصد کی خاطر اس نے دوسرے پختون قبائل کیساتھ اتحاد کیلئے بھی بات چیت شروع کر دی، لیکن مرزا الغ بیگ کو کسی طور پر بھی یہ منظور نہیں تھا کہ پختون دوبارہ سے ان کی دارالسلطنت میں منظم ہو جائیں، کیونکہ قبائلی اتحاد پہلے کی طرح اب بھی ان کی حکومت کیلئے سب سے بڑا خطرہ تھا۔ اس خطرے کو رفع کرنے کیلئے اس نے دوبارہ سے گگیانی سرداروں کے ساتھ ساز باز شروع کر دی۔ حسن ابن چنگا اور شبلی ابن طوری نے مرزا کو مشورہ دیا کہ ملک سلیمان شاہ اور دوسرے یوسف زئی سردار لڑائی اور لشکر کشی سے کبھی قابو میں نہیں آئیں گے لہٰذا آپ ان کے ساتھ برداشت اور تدبر سے پیش آئیں۔ ان کا آپ پر اعتماد دوبارہ بحال ہو جائے گا، اور آہستہ آہستہ یہ لوگ گرویدہ ہو جائیں گے۔ منصوبے کے تحت مرزا نے ملک سلیمان شاہ کے ساتھ ساتھ سارے یوسف زئی، محمدزئی، خلیل اور گدون قبائلی سرداروں پر انعامات و اکرامات کی بارش شروع کر دی۔ ایک خط میں جو کہ مرزا الغ بیگ نے سلیمان شاہ کے نام لکھا تھا، ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

> میں نے آپ کے کردہ و ناکردہ تمام گناہوں کو اپنے خلوص و صفائے قلب سے معاف کر دیا۔ پس آپ لوگ آئیں اور صلح آشتی کے ساتھ یگانگت کے تعلقات کو ایک دوسرے کے ساتھ پھر مستحکم کر دیں اور جس طرح پہلے اخلاص و محبت سے باہم زندگی بسر کر رہے تھے اسی طرح پھر زندگی اکٹھے گزاریں گے۔ ۲۲

اِس طرح مرزا الغ بیگ پختون سرداروں پر اپنا اعتماد بحال کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ملک سلیمان شاہ کو اس بات کی خوشی تھی کہ بڑے عرصے سے پختون قبائل میں جو اختلافات چلے آرہے تھے وہ کافی حد تک ختم ہو گئے ہیں۔ ان حالات و واقعات کے متعلق تواریخ حافظ رحمت خانی کے مصنف لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ مرزا نے یوسف زئی کی ذیلی شاخوں اور متحدہ پختون قبائل کے تقریباً سبھی چیدہ چیدہ سرداروں کو کھانے پر اپنے دربار میں مدعو کیا۔ اسی زمانے کے قاعدے اور باہمی اعتماد کے اصول کی روشنی میں شاہی دربار میں داخل ہونے سے پہلے مہمانوں کے ہتھیار باہر جمع کئے جاتے تھے۔ جس وقت یہ سارے سردار اور ملک زادے دعوت کیلئے اندر چلے گئے تو پہلے سے مسلح مرزا

الغ بیگ کے مغل سپاہیوں نے ان کو گھیر لیا اور تمام سرداروں کے ہاتھ پیچھے سے باندھ دیئے۔ اس وقت اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ غیر مسلح مہمانوں کے ساتھ کوئی اس طرح کا سلوک بھی ہو سکتا ہے۔[۲۳]

ملک سلیمان شاہ کو آزاد ہاتھوں کے ساتھ مرزا کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ حالات کی نزاکت کو بھانپ گئے اور مرزا کے اس سلوک پر کافی حیران تھے۔ اور جب ان کو یہ یقین ہو گیا کہ مرزا سرداروں کی رہائی کیلئے کسی قیمت پر بھی تیار نہیں تو اس نے تین گزارشات مرزا کے سامنے پیش کیں۔ ان کی پہلی عرض یہ تھی کہ پختون سردار ہونے کے ناتے وہ کبھی بھی اپنے ساتھیوں کے قتل کو برداشت نہیں کر سکے گا، لہٰذا ان کو سب سے پہلے قتل کیا جائے۔ دوسری عرض یہ کی کہ ملک احمد خان جو کہ اس وقت پندرہ سال کا نوخیز نوجوان تھا اور ملک سلیمان کا بھتیجا اور سیاسی جانشین تھا، کی جان بخشی کی جائے۔ تیسری گزارش یہ کی کہ اس کے بعد پختونوں کے ساتھ کوئی تعرّض نہ کیا جائے اور یہ لوگ جہاں جانا چاہیں ان کو جانے دیا جائے۔ مرزا الغ بیگ جو کہ کسی وقت میں ملک سلیمان شاہ کا بڑا احسان مند تھا، اس کی تینوں گزارشات قبول کر لیں۔ اس نے ملک احمد خان کو زندہ چھوڑ دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یوسف زئی سردار ملک سلیمان شاہ کو گگیانی سرداروں حسن ابن چنگا اور شبلی ابن طوری نے سب سے پہلے قتل کیا۔ اس کے بعد دونوں نے دوسرے سرداروں کو قتل کرنا شروع کیا۔ پھر مرزا کے جلادوں نے چاروں طرف سے تلواریں چلانی شروع کر دی۔[۲۴] اس واقعہ سے متعلق انعام سلگرے لکھتے ہیں کہ سردارانِ یوسف زئی کے قتل عام میں گگیانیوں کی سازش یا اس قبیلے کے سرداروں کے ملوث ہونے کے تاریخی شواہد نہیں ملتے لیکن یہاں پر ایک بات واضح ہے کہ یوسف زئی سردار پختونوں کی قوت کے خاتمے کی سازش میں کبھی مرزا کے حمایتی نہیں بنے۔ اس کے برعکس گگیانی سردار مرزا کے جال میں پھنس گئے اور نہ صرف یوسفزئیوں کی طاقت کی خاتمے میں ایک متحرک کردار ادا کیا بلکہ اجتماعی طور پر کابل میں پختونوں کی سیاسی بالادستی کے خاتمے کے بھی ذمہ دار بن گئے تھے۔[۲۵] روشن خان کے مطابق سات سو پختون سرداروں میں سے کل چھ افراد بچے باقی تمام سرداران کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس کے بعد تمام شہیدوں کو کابل شہر کے باہر ایک قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ آج بھی اس مقبرہ کو لوگ ''شہیدانِ یوسف زئی مقبرہ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

پختونوں کیلئے بالعموم اور یوسف زئی کیلئے بالخصوص یہ واقعہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ اس کے بعد پختونوں نے بڑی تعداد میں کابل سے پشاور اور ملحقہ علاقوں کی طرف ہجرت کی۔ اس واقعہ کے فوراً بعد یوسف زئی اور ان کے اتحادی قبائل کا ایک بڑا جرگہ منعقد ہوا، جس میں متفقہ طور پر ملک احمد خان کو یوسفزئی قبیلے کا سردار مقرر کیا گیا۔۲۶

تاریخی روایات اور حوالہ جات اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ مرزا الغ بیگ کے دربار میں کتنے پختون سرداران قتل ہوگئے تھے۔ *تواریخ حافظ رحمت خانی*، اولف کیرو اور روشن خان سات سو سرداروں کی شہادت کے متعلق لکھتے ہیں۔ اخوند درویزہ لکھتا ہے کہ دو سو لوگ مارے گئے تھے جبکہ ایچ ڈبلیو بیلیو لکھتے ہیں کہ ۷۰ کے قریب سردار قتل کر دیئے گئے تھے۔ *حیاتِ افغانی* کے مصنف کے مطابق تقریباً ۸۰۰ یوسف زئی سرداروں کو قتل کیا گیا۔ اس اندوہناک اور دلخراش واقعہ کے رونما ہونے سے کچھ دیر پہلے یوسف زئی کے کچھ سرداروں نے مرزا کے ارادے کو محسوس کر لیا تھا۔ ملک محمود خان چغرزئی نے پوری طرح ماحول کو بھانپ لیا تھا کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے، کیونکہ شاہی دربار میں بہت زیادہ افواج کی موجودگی ان کو عجیب لگ رہی تھی پھر بہت بڑی تعداد میں گگیانی سردار مرزا کے اردگرد جمع ہوکر سرگوشیاں کر رہے تھے۔ اس نے اپنے ساتھی سرداروں کو آگاہ کیا اور مرزا الغ بیگ پر پہل کرنے کا مشورہ مانگا، لیکن ملک محمود کے مشورے پر کسی نے دھیان نہیں دیا۔۲۷

تاریخ کی بہت سی کتابوں میں اس واقعہ سے متعلق معلومات ملتی ہیں، لیکن بدقسمتی سے کسی بھی مصنف نے سال کا ذکر نہیں کیا۔ صرف اولف کیرو ایک مبہم قسم کی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ وہ اس واقعہ کو ۸۰-۱۴۶۰ء کے مابین وقوع پذیر ہونے سے متعلق لکھتا ہے۔ اس وقت کے تاریخی واقعات کو پڑھنے کے بعد یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ بہلول لودھی کے زمانے کا ہے، جو کہ ۱۴۵۱ء کو دہلی کا حکمران بنا تھا۔ روشن خان لکھتا ہے کہ اس وقت ملک احمد خان پندرہ سال کا نوجوان تھا۔ اگر ہم دلیل کے طور پر اس بات کو مان لیتے ہیں تو قیاس یہی ہے کہ یہ واقعہ تقریباً ۱۴۶۰ء اور ۱۴۶۵ء کے درمیانی عرصے میں پیش ہوا ہوگا، کیونکہ ملک احمد خان کی عمر یوسف زئی کی فتح 'سوات' جو کہ تقریباً ۱۵۰۵ء میں ہوئی تھی ۶۵-۶۰ سال کے قریب تھی۔ اس لئے غالب امکان یہی ہے کہ سال ۶۵-۱۴۶۰ء میں یہ واقعہ پیش آیا ہوگا۔ اس واقعہ کے بعد پختونوں کے سبھی قبائل پہ کیا گزری وہ بہت سی کتابوں میں

کافی تفصیل کے ساتھ سے درج ہے۔ یوسف زئیوں سے ان کا مال و متاع، گھر بار اور کاروبار چھین لیا گیا اور وہ اس تباہی کے بعد بالکل خالی ہاتھ ہو چکے تھے۔ ملک احمد خان کی سرداری میں بہت سارے پختون قبائل نے بے سرو سامانی کی حالت میں کابل سے نیچے پشاور کی طرف ہجرت کی۔۲۸ اس وقت یوسف زئی قبیلہ تاریخ کے ایک نازک موڑ سے گزر رہا تھا۔ مصیبتوں کے مارے یہ لوگ اس وقت تعداد میں بہت کم تھے۔ یوسف زئی قبیلے کا سب سے پہلا قافلہ جب پشاور پہنچا تو ان کی تعداد کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سارے مرد و زن، چھوٹے بڑے سب ایک درخت کے نیچے سما گئے۔ یوسف زئی قبیلہ کے ساتھ بہت لوگ جو اتمان خیل، خلیل، محمد زئی، گدون قبائل سے تعلق رکھتے تھے، نے بھی کابل چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔۲۹

ایچ ڈبلیو بیلیو (H. W. Bellew) لکھتا ہے کہ اس واقعے میں ملک احمد خان اور ملک سلطان شاہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں بچا تھا۔ اس واقعہ سے متعلق روشن خان، اللہ بخش یوسفی، حیات افغان، الفنسٹن (Elphinstone)، ایچ ڈبلیو بیلیو (H.W. Bellew)، اولف کیرو (Olaf Caroe) نے بہت تحقیق کی ہے، لیکن بدقسمتی سے بیشتر جدید پختون لکھاری اس واقعہ سے بے خبر نظر آتے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ پختونوں کا اپنی تاریخ اور سیاسی واقعات میں دلچسپی نہ لینا ہے۔ حالانکہ یوسف زئی قبیلے کی تاریخ کارناموں، قربانیوں اور ان کی قائدانہ صلاحیتوں سے بھری پڑی ہے۔ اس حوالے سے مشہور شاعر شیر افضل افضل لکھتا ہے:

د پختون پہ قافلہ کښے مقدم دے
پہ مړانہ ئی قائل تمام عالم دے
دہ ځپل وخت ھرے فتنے سرہ جنګیږي
یوسفز و سرہ ھم تورہ ھم قلم دے

ترجمہ: پختونوں کے قافلے میں یوسف زئی سب سے آگے ہے، جس کی بہادری کی پوری دنیا قائل ہے۔ اس نے اپنے وقت کے ہر فتنے کا مقابلہ کیا ہے، کیونکہ یہ لوگ قلم اور تلوار دونوں کے امین ہیں۔

کابل سے ہجرت کے بعد یوسف زئی پشاور کے نزدیک دوابہ میں مقیم ہو گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ بعد جب گگیانی پختون کابل میں اکیلے زندگی گزارنے اور مغلوں کے آئے روز

کے ظلم وستم سے تنگ آ گئے تو وہ بھی وادیٔ پشاور کی طرف آنے پر مجبور ہو گئے۔ ملک احمد خان نے ان کے پچھلے تمام ظلم معاف کئے اور ان کو اپنے ساتھ دوابہ میں ٹھہرا لیا۔ پھر تھوڑے عرصے بعد یوسف زئی ہشت نگر کی طرف چلے گئے تو دوابہ کا علاقہ مکمل طور پر گگیانی قبیلے کو دے دیا۔ ہشت نگر میں یوسف زئی قبیلے نے اپنی ذیلی شاخوں کے ناموں پر مختلف آبادیاں بنا لیں۔ مثلاً رزڑ، عمرزے، ترنگزے، ابازے وغیرہ۔ اس کے بعد بھی بہت سارے پختون قبائل آہستہ آہستہ کابل سے ہجرت کرتے گئے تو ملک احمد خان نے اپنی بہت ساری آبادیاں نہایت محبت اور اخلاص سے ان نئے آنے والے ساتھیوں کیلئے خالی کر دیں۔ وادیٔ پشاور میں تقریباً دس صدیوں کے بعد دوبارہ یوسف زئیوں کی آمد کے ساتھ ایک پختون قبائلی اتحاد (Pakhtun Tribal Confederacy) کا قیام ممکن ہوا۔ اس عرصے میں ملک احمد خان کی قیادت میں ایک بڑی لڑائی پختونوں اور دلہ زاک قبیلے کے مابین تقریباً ۹۰-۱۴۸۰ء کے درمیانی عرصہ میں لڑی گئی تھی۔ لڑائی میں شکست کے بعد دلہ زاک مجبور ہو کر ہزارہ کی طرف چلے گئے تھے۔ اس کے بعد ملک احمد خان نے گگیانیوں کو دوابہ کا پورا علاقہ، محمد زئیوں کو ہشت نگر اور اتمان خیلوں کو دریائے سوات کے ساتھ والا پہاڑی علاقہ دے دیا۔[۳۰] اسی دوران بہت سارے یوسف زئی ذیلی شاخیں مردان اور ملحقہ بالائی علاقوں میں جاکر آباد ہو گئے۔ ہشت نگر خالی کرنے کے بعد رفتہ رفتہ یوسف زئی سوات، باجوڑ، بونیر، صوابی کے میدانوں میں پھیل گئے اور بہت وسیع علاقے پر ان کا قبضہ ہوتا گیا۔[۳۱]

ایک اور اہم بات اس حوالے سے دہلی کے لودھی حکمرانوں کی خاموشی اور کسی بھی قسم کے رد عمل کا ظاہر نہ کرنا ہے۔ اس حوالے سے کسی بھی مصنف نے وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے۔ امکان یہی ہے کہ چونکہ اس وقت ہر طرف شورشیں برپا تھیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس وقت بہلول لودھی نے اپنی پوزیشن کو مستحکم بھی نہیں کیا تھا۔ خود لودھی سلطنت کی شاہی افواج تین چار محاذوں پر لڑ رہی تھی۔ دہلی کی لودھی سلطنت چاروں طرف سے خطرات میں گھری ہوئی تھی۔ بہلول لودھی نے اپنے استحکام کیلئے ''روھ''(Ruh)[۳۲] کے پختونوں سے اعانت طلب کی تھی۔ خصوصاً جب محمود شاہ شرقی حکمرانِ جونپور نے دہلی پر قبضہ کرنے کی غرض سے شہر کا محاصرہ کیا تو بہلول لودھی نے اپنی کمزور فوجی پوزیشن کے پیش نظر شمال مغربی سرحدی پختونوں کو خطوط لکھے تھے اور ان سے یہی

گزارش کی تھی کہ ان کی سلطنت کی مضبوطی کیلئے ان کے ہاں آ جائیں۔ ایک خط میں وہ سرحدی پختون سرداروں سے یوں مخاطب ہوتا ہے:

> If my dear friends are pleased to come down to his country, I shall have only the name of king, while each kingdom and territory that has been conquered and will pass under our control will be shared by us as between brothers. ۳۳
>
> ترجمہ: اگر میرے پیارے (پختون) دوست خوشی سے ان (بہلول لودھی) کے ملک میں آ جائیں تو ان کا نام صرف بادشاہ کے طور پر آئے گا اور جتنے بھی علاقے ہمارے تسلط میں آئیں گے تو اُن پر بھائیوں کی طرح مل کر حکمرانی کریں گے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پختون قوم میں یوسف زئی قبیلے کے لوگوں نے خال خال ہندوستان کے وسطی یا دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کی۔ ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی اس قبیلے نے ابھی تک اپنے قبائلی نظام کو بڑی حد تک اپنے علاقے میں مستحکم بنیادوں پر استوار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یوسف زئیوں کا ہندوستان کے امراء یا اُن کے درباروں میں ملازمت کرنا کبھی بھی ترجیح نہیں رہی۔ زیادہ تر یہ لوگ اپنے آبائی وطن میں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن میں سے بہت کم لوگ ہندوستان کے دوسرے شہروں میں جا کر آباد ہوئے۔ اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اُس وقت پنجاب اور لودھی سلطنت کے دربار میں کوئی ایسا قابل ذکر امیر، وزیر یا فوجی سپہ سالار مغلوں کے خلاف ان کی مدد کو آتا۔ یا ان کے حق میں آواز بلند کرتا۔

اوپر دی گئی وضاحت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس وقت لودھی سلطنت اندرونی شورشیں دبانے میں مصروف تھی۔ بہلول لودھی کے انتقال کے وقت (۱۴۸۹ء) ملتان، جونپور، جودھپور اور سرحدی علاقے دہلی کے تسلط سے آزاد تھے۔ اس لیے اس قسم کے حالات میں لودھی حکمرانوں کا الغ بیگ کے ہاتھوں ۷۰۰ پختون سرداروں کے قتل پر خاموشی تعجب خیز نہیں ہے۔ مشہور پختون مؤرخ پریشان خٹک لکھتے ہیں کہ دعوت پر بلا کر اعتماد میں مارے جانے کی مختلف ادوار میں کئی مثالیں موجود ہیں، مگر یہ واقعہ پختونوں اور مغلوں کے مستقبل کے تعلقات کے حوالے سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ دونوں اقوام کے مابین یہ افسوسناک واقعہ بعد میں ایک شدید سیاسی تنازع بن گیا تھا، خاص طور پر اس واقعہ نے پختونوں کے ذہنوں پر نہ مٹنے والے نقوش چھوڑے تھے۔ ۳۴

پرسی سائیک(Percy Sykes) کے مطابق مرزا الغ بیگ کی موت ۱۵۰۱ء میں واقع ہوئی۔ اس کے بعد اسکا بیٹا عبدالرزاق صوبہ کابل میں ان کا جانشین بن گیا، لیکن وہ اس قابل نہ تھا کہ حالات کو قابو میں رکھ سکتے۔ تھوڑے عرصے میں بغاوتیں شروع ہو گئیں اور چاروں اطراف سے علم بغاوت بلند ہو گیا۔ مقیم خان جو کہ ایک مغل شہزادی زنم ارغن کا بیٹا تھا، نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سلطان حسین نے جو کارمسر(Karmser) کا گورنر تھا، کابل پر حملہ کیا اور کچھ عرصہ کیلئے حکمرانی کرتا رہا۔ تقریباً دو سال تک کابل میں شورشیں برپا رہیں۔ اسی دوران میں ظہیر الدین بابر فرغانہ میں ازبکوں کے آئے دن کے حملوں سے تنگ آ کر ہندوکش عبور کر کے کابل میں وارد ہوا۔ بابر کو کابل کی خانہ جنگی نے قسمت آزمائی کا ایک زبردست موقع فراہم کیا اور اُس نے ۱۵۰۴ء میں کسی بڑی معرکہ آزمائی کے بغیر شہر پر قبضہ کر لیا۔[۳۵]

حوالہ جات

۱- سردار شیر محمد گنڈاپور، تاریخ پشتون (کراچی: شیخ شوکت علی اینڈ سنز، ۱۹۹۱ء)، ص۲۰۸۔

۲- بہادر شاہ ظفر کاکاخیل، پښتانه د تاریخ په رڼا کښے (پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی، سن ندارد)، ص۳۲۷۔

۳- Olaf Caroe, *The Pathan: 550BC-1957AD,* (London: MacMillan & Co., 1958), p. 173

۴- ایضاً، ص ۱۷۵۔

۵- Ahmad Hasan Dani, Peshawar *Historic City of the Frontier (Peshawar: Khyber Mail Press, 1969), p. 74.*

۶- ڈاکٹر حبیب اللہ تیری، پشتون، (کوئٹہ: غزنوی خیروندیہ ٹولنہ، ۲۰۰۴)، ص ۱۰۴۔

۷- اولف کیرو، ص۸۴۔

۸- اللہ بخش یوسفی، تاریخ یوسف زئی (کراچی: محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی، ۱۹۷۳ء)، ص ۱۴۲۔

۹- R.C. Majumdar, H.C. Raychaudhury, *An Advance History of India* (Lahore: Aziz Publications, 1980), p. 154.

۱۰- اولف کیرو، بحوالہ سابقہ، ص۱۷۱۔

۱۱- *The Encyclopaedia of Islam*, Vol. IV, op.cit., (Leiden: E. I. Brill, 1978), p. 536.

۱۲- اولف کیرو، بحوالہ سابقہ، ص ۱۴۔

۱۳- ایضاً، ص ۱۷۳۔

۱۴- H. W. Bellew, *The Races of Afghanistan*, (Lahore: Shaikh Mubarak Ali & Sons), p. 64

۱۵- روشن خان، یوسف زئی قوم کی سرگزشت (کراچی: روشن خان اینڈ کمپنی، ۱۹۸۶ء)، ص ۲۰۔

۱۶- ایضاً، ص ۲۱۔
۱۷- ایضاً۔
۱۸- *تواریخ حافظ رحمت خانی*، ترتیب و حواشی روشن خان (پشاور، پشتو اکیڈمی، ۱۹۷۶ء) ص ۷۸۔
۱۹- ایضاً، ص ۲۶۔
۲۰- اللہ بخش یوسفی، بحوالہ سابقہ، ص ۱۴۳۔
۲۱- روشن خان، بحوالہ سابقہ، ص ۲۹۔
۲۲- ایضاً ص ۲۸۔
۲۳- *تواریخ حافظ رحمت خانی*، بحوالہ سابقہ، ص ص ۶۸-۷۰۔
۲۴- ایضاً ص ۹۲۔
۲۵- انعام سلگرے مہمند اپنی کتاب *تاریخ پختون* میں لکھتے ہیں کہ گگیانی سردار یوسف زئی کے قتل عام کے سازش میں شریک نہیں تھے۔ لیکن اس بارے میں بہت سے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ گگیانی سردار باقاعدہ مرزا کے ساتھ اس سازش میں شریک تھے۔ بلکہ اس بارے میں ان لوگوں نے بڑے عرصے تک مرزا کے ساتھ ساز باز کر کے ایک متحرک کردار ادا کیا تھا۔ نتیجتاً وہ نہ صرف یوسف زئی سرداروں کے قتل عام کے ذمہ دار ٹھہر گئے بلکہ کابل میں پختونوں کی سیاسی شکست اور تنزلی کا باعث بنے۔ انعام سلگرے مہمند، *تاریخ پختون*، حصہ اوّل، (شبقدر، چارسدہ: پختون ریسرچ سنٹر، ۲۰۰۹ء) ص ۱۳۱۔
۲۶- روشن خان، بحوالہ سابقہ، ص ۲۷۔
۲۷- Muhammad Hayat Khan, *Hayat-e-Afghani*, Translated & Edited Henery Preistle (Lahore: Sang-e-Meel, 1981), p. 29, also see H.W. Bellew, *A General Report on the Yousafzais,* (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2001).
۲۸- Himayatullah, *Mughal-Afghan Conflict During the Seventeenth Century,* (Islamabad: M.Phil Thesis, Department of History, QAU, Islamabad, 2005), p. 23.
۲۹- الف کیرو، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۵۔
۳۰- Razia Sultana, Pakhtoon Settlement in the Peshawar Valley: An Appraisal, *Pakistan Historical Society,* Vol L, October-December, 2002, No. 4, p. 69.
۳۱- اللہ بخش یوسفی، بحوالہ سابقہ، ص ۱۴۴۔
۳۲- ''روھ'' یا ''روا'' کے متعلق معلومات بہت سی مشہور مسلمان مورخ کتابوں میں درج ہیں۔ بیشتر مصنفین ''روھ'' کے علاقے کو پختونوں کی جائے رہائش کے طور پر لکھتے ہیں۔ عتبی (Al-Utbi) کے مطابق روھ غزنی کے جنوب سے شروع ہو کر پاکستان کے موجودہ سوات، باجوڑ اور پھر بلوچستان میں سبی تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ علاقہ مشرق کی طرف سے حسن ابدال سے شروع ہو کر کابل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس پورے علاقے کو اگر تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کا ذکر روھ کے نام سے کتابوں میں ملتا ہے۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے، حمایت اللہ، بحوالہ سابقہ، ص ۵۵۔
۳۳- حمایت اللہ، بحوالہ سابقہ، ص ۲۱۔
۳۴- پریشان خٹک، *پشتون کون؟ تاریخ، تحقیق، تنقید* (پشاور: پشتو اکیڈمی، ۱۹۸۴ء)، ص ۱۲۱۔
۳۵- Percy Sayk, *A History of Afghanistan,* Vol-I, (Lahore: Alberoni Publication, 1979), p. 43.